فَسۡـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ

"تو پوچھ لیا کرو ان سے جو جانتے ہیں، اگر تم نہیں جانتے" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

فتاویٰ یسئلونک

دار الافتاء والارشاد

الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

شمارہ 84 | جمعۃ المبارک 21 صفر المظفر 1442ھ 09 اکتوبر 2020ء

سوال ارسال کرنے کے طریقے

- بالمشافہ: سوالات تحریری صورت میں متعین سوالنامے پر بالمشافہ جمع کروائیں۔
- بذریعہ ویب سائٹ: www.yasalunak.com پر موجود سوالنامے کے ذریعے ارسال کریں۔
- بذریعہ برقی مراسلہ: ask@yasalunak.com پر برقی مراسلے (ای میل) کی صورت میں ارسال کریں۔
- بذریعہ واٹس ایپ: 0333-9206874 پر مکمل نام کے ساتھ واٹس ایپ کریں۔

نوٹ: جوابات (فتاویٰ) سوالات موصول ہونے کی ترتیب سے ارسال کیے جاتے ہیں۔

دار الافتاء والارشاد، الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ، فقہ اکیڈمی C-335 بلاک 1، گلستان جوہر، کراچی

سوال: ضعیف الاسناد احادیث کیا نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں؟ اگر ہاں تو کیسے؟ اور اگر نہیں تو کیا ان سے شریعت اسلامیہ سے متعلق معاملات خواہ فضائل ہی کیوں نہ ہوں، اخذ کیے جاسکتے ہیں؟ محدثین کے اقوال کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: سب سے پہلے چند تمہیدی باتیں ذہن نشین کرلیں:

۱۔ حدیث ضعیف کی تعریف: محدثین کے مطابق حدیثِ ضعیف وہ ہے کہ جس میں صحیح اور حسن حدیث کی صفات نہ پائی جائیں۔ لیکن حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر تعریف یہ ہے: کل حدیث لم تجتمع فیه صفات القبول. یعنی ہر وہ حدیث جس میں مقبول حدیث والی صفات نہ پائی جائیں۔ پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقبول حدیث کی چھ صفات ذکر کی ہیں:

۱۔ سند متصل ہو یعنی درمیان میں انقطاع نہ ہو۔

۲۔ تمام راوی عادل ہوں۔

۳۔ تمام راویوں کا حافظہ اور ضبط صحیح ہو۔

۴۔ اگر سند میں کوئی راوی مستور الحال ہو تو حدیث کسی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو۔

۵۔ حدیث شاذ نہ ہو۔

۶۔ حدیث میں کوئی علتِ قادحہ نہ ہو۔ (النکت علیٰ کتاب ابن الصلاح)

چنانچہ اگر کسی روایت میں یہ تمام یا ان میں سے کوئی ایک صفت نہ پائی جائے تو وہ حدیث ضعیف کہلائے گی۔ درج بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث کے ضعیف ہونے کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں۔ ان اسباب کے بارے میں تفصیلی بحث کے لیے کتاب "شرح نخبة الفکر" ملاحظہ فرمائیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حدیث ضعیف ہو اس پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے بالکل ہی رد کر دیا جائے گا یا مطلقاً قبول کیا جائے گا یا صرف فضائل اور ترغیب و ترہیب میں قابلِ عمل سمجھا جائے گا۔ ضعیف احادیث کے بارے میں معتدل اور حق پر مبنی مسلک وہی ہے جسے ہمارے محدثین بیان کرتے ہیں کہ احادیثِ ضعیفہ دو قسم پر ہیں:

ایک وہ احادیث جن میں شدید قسم کا ضعف ہو۔ دوسرے وہ احادیث جن میں شدید قسم کا ضعف نہ ہو۔ ان دونوں قسموں پر ایک جیسا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ عمل کے اعتبار سے ان دونوں کا حکم جدا ہوگا۔ جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں شدید قسم کا ضعف پایا جائے تو ان پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں اور نہ ہی یہ اعتقاد رکھنا درست ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے۔ کیوں کہ جب کسی راوی پر شدید قسم کا طعن ہو جیسا کہ تہمتِ کذب یا فسق یا غلطیوں کی کثرت تو ایسی حدیث کے بارے میں قوی امکان یہی ہے کہ اس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف غلط کی گئی ہے اور جب کسی حدیث سے متعلق غلط نسبت کا امکان بہت زیادہ ہو اور امکانِ صحت بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہو تو اسے حضور ﷺ کی حدیث قرار دینا یا اس کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا درست نہیں اور جب اعتقاد رکھنا درست نہیں تو اس پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔ ایسی حدیث حکم کے اعتبار سے موضوع حدیث کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور اسی درجے کے کسی متابع یا شاہد سے بھی اس کا ضعف زائل نہیں ہوسکتا۔

حافظ ابنِ صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر کوئی سمجھدار ناقد یہ سوال کرے کہ جب ایک ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو پھر بھی اسے حسن کیوں قرار نہیں دیا جاتا اور اس پر ضعف کا حکم کیوں لگایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہر ضعیف حدیث ایسی نہیں ہوتی کہ متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کا ضعف زائل ہوجائے، بلکہ ضعف کی دو اقسام ہیں: ایک ایسا ضعف جس کا ازالہ ہوسکتا ہے اور دوسرا وہ ضعف جس کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔

۱۔ اگر راوی اہلِ صدق و دیانت میں سے ہو اور ضعف اس کے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے آیا ہو، ایسی صورت میں اگر روایت کسی اور طریق سے بھی مروی ہو تو اس کا ضعف زائل ہوجائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ راوی نے حدیث کو یاد رکھا ہے اور اس کے حافظے کی کمزوری اس حدیث کو یاد رکھنے میں مخل نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر ضعف ارسال کی وجہ سے آیا ہو یعنی کسی معتبر امام و حافظ تابعی نے

روایت کرتے ہوئے صحابی کا واسطہ ذکر نہ کیا ہو تو اس صورت میں بھی اس ضعف کا ازالہ اس جیسی دوسری مرسل روایت سے ہوسکتا ہے۔

۲۔ اور اگر ضعف کی وجہ شدید ہو جیسا کہ راوی پر تہمتِ کذب یا حدیث کا شاذ ہونا وغیرہ تو ایسی صورت میں اس جیسے متعدد طرق بھی حدیث کے ضعف کو زائل نہیں کرسکتے، کیونکہ حدیث میں ضعف شدید ہے اور اس شدت کا مقابلہ متعدد طرق مل کر بھی نہیں کرسکتے"۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

جن روایات میں شدید قسم کا ضعف نہ ہو بلکہ نسبتاً معمولی نوعیت کا ہو ان کے بارے میں معتدل اور حق پر مبنی مسلک یہ ہے کہ ایسی روایات کو احکام وعقائد کے باب میں قبول نہیں کیا جائے گا یعنی ایسی احادیث سے کوئی بھی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی عقیدہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین ان احکام وعقائد کا نام ہے جو نبی کریم ﷺ سے بذریعہ تواتر یا بذریعہ اخبارِ آحاد صحیح سند سے ثابت ہوں اور یہی دو اقسام ہیں جن سے علم مفید للعمل ثابت ہوتا ہے یعنی تواتر سے علمِ یقینی اور اخبار آحاد سے علم ظنی بمعنیٰ غلبۃ الظن۔ اس کے علاوہ جن روایات کی سند نبی کریم ﷺ تک ثابت نہ ہو یا اس میں ضعف ہو تو ان سے کسی بھی قسم کا علم حاصل نہیں ہوتا، نہ یقینی اور نہ ہی ظنی بمعنیٰ غلبۃ الظن۔ یہی وجہ ہے کہ ضعیف روایات سے کسی بھی قسم کا حکم شرعی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جمہور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن احادیث میں معمولی نوعیت کا ضعف ہو اور اس کا تعلق فضائل اور ترغیب وترہیب جیسے ابواب سے ہو تو ایسی احادیث کو چند شرائط کے ساتھ قبول کیا جاسکتا ہے۔ فضائل میں قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ فضیلت یا ترغیب وترہیب سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی دین میں کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے، لہٰذا عمل کی غرض سے حدیثِ ضعیف میں تساہل کی گنجائش ہے۔

البتہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث کی قبولیت کی چند شرائط ہیں: علامہ سیوطی حافظ ابنِ حجر رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر ضعیف حدیث فضائلِ اعمال، ترغیب وترہیب یا رقائق وآداب سے متعلق ہو تو اسے تین شرائط کے ساتھ قبول کیا جاسکتا ہے:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس حدیث میں ضعف شدید نہ ہو جیسا کہ راوی پر کذب کی تہمت یا اس کا فاسق اور فاحش الغلط ہونا۔ اگر حدیث میں شدید قسم کا ضعف ہو تو اسے فضائل میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حدیثِ ضعیف کسی ایسے اصلِ عام کے تحت آتی ہو جو معمول بہ ہو یعنی شریعت کے جو اصول وضوابط قرآن یا صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور معمول بہ ہیں اس حدیثِ ضعیف کا مضمون ان ثابت شدہ اصولوں میں سے کسی اصول کے تحت آتا ہو۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے یعنی یہ نہ سمجھا جائے کہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور آپ نے واقعی ایسا فرمایا ہے، بلکہ ایسی حدیث کے بارے میں احتیاط کا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ نے ایسا ارشاد فرمایا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ فرمایا ہو۔ یہ شرائط بہت سے ائمہ محدثین سے مروی ہیں۔ ان میں سے پہلی شرط پر حافظ ابوسعید العلائی نے تمام محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے۔ جبکہ دوسری اور تیسری شرط حافظ ابنِ حجر کے علاوہ حافظ عزبن عبد السلام اور حافظ ابنِ دقیق العید رحمہم اللہ سے بھی مروی ہیں۔ (تدریب الراوی)

سوال: میری بہن کینسر کی مریض ہے، اس کے علاج پر ہر مہینے پچاس ہزار روپے کا خرچہ ہے۔ اس کے تین بچے ہیں، بڑی بیٹی کی عمر پندرہ سال ہے۔ اس کے شوہر کی آمدنی پچیس ہزار ہے۔ اس کے پاس کوئی زیور نہیں، سوائے چھوٹی موٹی کیلیں یا لاکٹ کے۔ مریضہ کے باپ کے پاس دو دو کانیں ہیں، ایک پر وہ خود بیٹھ کر کماتے ہیں اور دوسری انہوں نے کرائے پر دے رکھی ہے۔ اور دو گھر ہیں، ایک میں وہ خود اوپر کے حصے میں رہتے ہیں اور نیچے مریضہ رہتی ہے، دوسرا فلیٹ ہے جو کرائے پر ہے اور اس فلیٹ میں مریضہ بھی ۲۵ فیصد کی حصے دار ہے، یعنی مریضہ نے فلیٹ کی مد میں ۲۵ فیصد رقم ملائی تھی۔ جس وقت فلیٹ لیا تھا، اس کی قیمت تیس لاکھ تھی، تو انہوں نے تقریباً ساڑھے سات لاکھ ملائے تھے۔ اس فلیٹ کی کل مالیت پچیس سے تیس لاکھ روپے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم زکوٰۃ کی رقم سے اس کا علاج کرواسکتے ہیں؟ نیز کیا ہم بہن بھائی بھی اپنی زکوٰۃ سے اس کا علاج کرا سکتے ہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں آپ کی بہن اپنے والد کے فلیٹ میں ۲۵ فیصد کی حصہ دار ہیں اور یہ فلیٹ چونکہ ضرورت سے زائد ہے لہذا ضرورت سے زائد ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کی مالکہ ہونے کے باعث آپ کی بہن مستحق زکوۃ نہیں اس لیے زکوۃ کی رقم سے ان کا علاج کروانا جائز نہیں ہوگا۔

أی المصرف الفقیر والمسکین والمسکین أدنی حالا وفرق بینهما فی الهدایة وغیرها بأن الفقیر من له أدنی شیء والمسکین من لا شیء له وقیل علی العکس ولکل وجه والأول هو الأصح، وهو المذهب کذا فی الکافی والأولی أن یفسر الفقیر بمن له ما دون النصاب کما فی النقایة أخذا من قولهم یجوز دفع الزکاة إلی من یملك ما دون النصاب أو قدر نصاب غیر تام، وهو مستغرق فی الحاجة، ولا خلاف فی أنهما صنفان هو الصحیح؛ لأن العطف فی الآیة یقتضی المغایرة. البحر الرائق شرح کنز الدقائق ومنحة الخالق وتکملة الطوری (۲/۲۵۸)

سوال: اکثر اوقات میں موٹر سائیکل پر سفر کرتا رہتا ہوں اور سڑکوں پر نالوں کا گندہ پانی بہتا رہتا ہے تو اس کے چھینٹے کپڑوں پر لگ جاتے ہیں، دورانِ سفر اضافی کپڑے میسر نہیں ہوتے تو ایسی حالت میں نماز بھی پڑھنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کپڑے پاک ہوں گے یا نہیں اور نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پاک کرنے کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

جواب: نالوں اور گٹر کا پانی نجاست غلیظہ ہے، اس لیے کپڑوں پر ناپاک پانی کے چھینٹے لگنے کی صورت میں کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، ایسے کپڑوں کا حکم یہ ہے کہ اگر نجاست کے چھینٹے اتنی مقدار میں لگے ہوں جن کو جمع کیا جائے تو وہ ایک درہم سے کم ہوں تو اس قدر نجاست معاف ہے اور ان کپڑوں کو دھوئے بغیر ان میں نماز پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر نجاست اتنی مقدار میں لگی ہو جو ایک درہم کے برابر یا اس سے زائد ہو تو ان کپڑوں کو دھوئے بغیر ان میں نماز درست نہیں۔ کپڑوں کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کا جو حصہ ناپاک ہے اسے تین بار دھو کر نچوڑا جائے، یا ٹونٹی کے نیچے رکھ کر اس پر اس قدر پانی بہایا جائے کہ ناپاکی کا اثر زائل ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے۔

(قوله: وطین شارع) مبتدأ خبره قوله: عفو والشارع الطریق ط. وفی الفیض: طین الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطا بالعذرات وتجوز الصلاة معه. اهـ... أقول: والعفو مقید بما إذا لم یظهر فیه أثر النجاسة کما نقله فی الفتح عن التجنیس. وقال القهستانی: إنه الصحیح. (الدر المختار وحاشیة ابن عابدین/رد المحتار، ۱/۳۲۴)

سوال: میں نے سنا ہے کہ ایک غیر مسلم مؤرخ نے لکھا ہے کہ ایک خاتون کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا، لیکن رات کو اس خاتون نے آپ علیہ السلام کو دیکھتے ہی أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھا اور علیحدہ ہوگئی۔ ایسا واقعہ ہم نے تو سیرت میں نہیں پڑھا، آپ کو اگر اس بارے میں کچھ معلوم ہو تو رہنمائی فرمائیں کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: صحیح بخاری سمیت بہت سی کتب احادیث میں یہ روایت موجود ہے: عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ، لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَنَا مِنْهَا، قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ، فَقَالَ لَهَا: «لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ، الْحَقِي بِأَهْلِكِ». (صحیح البخاری، ۷/۴۱)

ترجمہ: ”عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ (ایک عورت) ابنۃ الجون کو جب (نکاح کے بعد) رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور رسول اللہ ﷺ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا کہ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ تو نے بہت بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے، اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا“۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے اختیار دیا تو اس نے اپنی قوم کے پاس جانا پسند کیا، اس کے بعد وہ ہمیشہ یہ کہا کرتی تھی کہ میں بدبخت ہوں۔

عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن الکندیة لما وقع التخییر اختارت قومها ففارقها فکانت تقول أنا الشقیة. «فتح الباری لابن حجر» (۹/۳۵۸)

ختم شد